

نئے میدان جنگ کا انتخاب

ہزیمت کی تاریخ ایک مرتبہ پھر دہرائی گئی ہے۔ میسور، پلاسی، بالاکوٹ، دہلی اور افغانستان کے جنگی میدانوں کی طرح ہم عراق کے میدان جنگ میں بھی مغلوب و رسوا ہوئے ہیں۔ اس شکست کے اسباب و عواقب کے بارے میں ہمارے ارباب علم و دانش مختلف الحیال ہیں۔ بعض اسے اللہ کی آزمائش سے تعبیر کر کے عزیمت و استقامت کا درس دے رہے ہیں۔ بعض قومی انتشار کا نتیجہ تصور کر کے اتحاد و یک جہتی کی تلقین کر رہے ہیں اور بعض سپر پاور کی عسکری برتری کا مظہر قرار دے کر عسکری قوت کے حصول کا لائحہ عمل تجویز کر رہے ہیں۔ یہ سب تجزیے اور تجاویز درست ہو سکتی ہیں، مگر ایک حقیقت ان کے ماسوا بھی موجود ہے جس سے ہماری فکری اور سیاسی قیادت مسلسل صرف نظر کر رہی ہے۔ وہ حقیقت یہ ہے کہ ہماری قوم نے جنگ کے لیے غلط میدان کا انتخاب کر رکھا ہے۔ ایک ایسا میدان جنگ جس میں ہم گزشتہ تین صدیوں سے پے در پے شکست کھا رہے ہیں۔ یہ مادی قوت کا میدان ہے۔ اس قوت کا مظہر اگر دولت ہے تو ہمارے ہاتھ میں کاسہ گدائی ہے، اگر علم و فن ہے تو ہمارا جہل مسلم ہے، اگر اسلحہ ہے تو ہم بے دست و پا ہیں اور اگر اقتدار ہے تو ہم محکوم محض ہیں۔ مادی قوت کے ان تمام مظاہر سے ہمارا وجود بالکل خالی ہے۔ اس حقیقت کے تلخ نتائج کا مسلسل شکار ہونے کے باوجود ہم مسلسل اسی میدان میں جان کی بازی لگا رہے ہیں۔ یہ عمل اگر سوچا سمجھا ہوتا تو سوچ کے زاویوں کو نیا رخ دے کر ہزیمت کی گردش سے نکلا جاسکتا تھا، مگر المیہ یہ ہے کہ یہ سرتاسر بے شعوری پر مبنی ہے۔ ہمیں یہ معلوم ہی نہیں ہے کہ ہم مادی قوت کے جس میدان میں برسر جنگ ہیں، اس میں فتح و کامرانی کے اسباب علوم و فنون، زراعت و معدنیات اور صنعت و تجارت ہیں۔ انھیں بعض اقوام نے جمع کر کے مادی قوت کے میدان میں اپنی اجارہ داری قائم کر رکھی ہے۔ ہمارا خیال ہے کہ جذباتی نعروں، موہوم تمناؤں اور بے بنیاد دعوؤں کے ذریعے سے ہم یہ اجارہ داری ختم کر سکتے ہیں۔ ہماری بے شعوری کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ ہم نے افغانستان میں اپنی کمزوری کا ہر سطح پر مشاہدہ کر لینے کے بعد بھی سرزمین عراق کو اسی میدان جنگ کا مرکز بننے دیا ہے۔

بہر حال صداقت صرف اور صرف یہ ہے کہ موجودہ حالات میں مادی قوت کا میدان ہماری ہزیمت کا میدان ہے۔ ہم اگر اسی کمزور حیثیت سے اس میدان میں برسرِ پیکار رہے تو بربادی کی عبرت انگیز داستانیں رقم ہوتی رہیں گی اور قانون الہی کے عین مطابق شکست ہی ہمارا مقدر ٹھہرے گی۔ اس میدان میں اگر ہم کوئی کامیابی حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اس کے لیے یہ ضروری ہے کہ پہلے اس میدان سے نکل کر مادی قوت کے وہ تمام اسباب و وسائل حاصل کریں جو کامیابی کے لیے ناگزیر ہیں۔ ان کے حصول کے لیے ایک طویل جدوجہد درکار ہے۔ آج اگر ہم اس جدوجہد کا آغاز کریں تو ممکن ہے کہ ایک مدت بعد انھیں حاصل کر لیں۔

تاہم، ایک میدان جنگ ایسا ہے جس میں فتح یابی کے اسباب و وسائل اس وقت بھی ہمارے پاس موجود ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم اس میں سرگرم عمل ہوں تو دنیا کی سب اقوام مل کر بھی ہمارا مقابلہ نہیں کر سکتیں۔ اس میدان میں ہماری فتح یقینی ہے۔ یہ مادی قوت کا نہیں، بلکہ فکری قوت کا میدان ہے۔ ہمارے پاس پروردگار عالم کی آخری ہدایت کی صورت میں لافانی فکری قوت موجود ہے۔ یہودیت ہو یا عیسائیت، بدھ مت ہو یا ہندومت، تمام مذاہب عالم پر اس کی فضیلت مسلم ہے۔ تصوف، لادینیت، اشتراکیت، سرمایہ داری اور دیگر سیاسی، معاشی اور عمرانی افکار میں سے کوئی فکر بھی اسے چیلنج کرنے کا اہل نہیں ہے۔ چنانچہ یہ حقیقت ہے کہ اگر اس میدان میں مغرب سقراط و فلاطون سے لے کر فرائڈ اور مارکس تک فلاسفہ کی تمام فکری قوت کو بھی مجتمع کر لے تب بھی اس کی رسائی مجھ عربی کے افکار تک نہیں ہو سکتی۔

یہ مقدمہ اگر درست ہے تو پھر ہمیں یہ فیصلہ کر لینا چاہیے کہ اب ہمیں اقوام عالم کی علاقائی سرحدوں کو نہیں، بلکہ نظریاتی سرحدوں کو ہدف بنانا ہے، ہمیں ان کے ملکوں پر نہیں، بلکہ ان کے افکار پر تاخت کرنی ہے اور ہمیں ان کے جسموں کو نہیں، بلکہ دل و دماغ کو تسخیر کرنا ہے۔ چنانچہ اس نئے میدان میں ہمیں تعلیم و تعلم، اصلاح و دعوت اور اخلاق و کردار کے زور پر دنیا کو یہ بتانا ہے کہ پیغمبر اسلام کی رسالت ایک ثابت شدہ تاریخی حقیقت ہے۔ یہودیت اور نصرانیت جیسے الہامی ادیان کا اثبات بھی اس رسالت کے اثبات پر منحصر ہے۔ یہ واضح کرنا ہے کہ زمین پر اللہ کی ہدایت کا آخری اور حتمی منبع قرآن مجید ہے۔ اس کی حفاظت کے انتظام، اس کی شان کلام اور اس کے خالص عقلی و فطری مشمولات کی بنا پر اس کی حاکمیت دیگر الہامی صحائف اور افکار فلاسفہ پر ہر لحاظ سے قائم ہے۔ چنانچہ عقیدہ و ایمان اور فلسفہ و اخلاق کے تمام مباحث میں رہتی دنیا تک اسے میزان اور فرقان کی حیثیت حاصل ہے۔ ہر نظریے اور ہر عمل کو اب اس کی ترازو میں تلنا اور اس کی کسوٹی پر پرکھا جانا ہے۔ اس میدان میں ہمیں یہ بھی تسلیم کرنا ہے کہ انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو صحیح خطوط پر قائم کرنے کا واحد راستہ اسلامی شریعت ہے۔ اس ضمن میں یہ ان مسئلوں کو بھی حل کرتی ہے، جنہیں انسانی عقل اپنی محدودیتوں کی وجہ سے حل نہیں کر سکتی۔ اس کی روشنی میں ایک ایسا معاشرہ تشکیل پا سکتا ہے جس میں حیا کو بنیادی قدر کی حیثیت حاصل ہو اور معاشرے کی اکائی خاندان کو اس قدر استحکام حاصل ہو کہ انسان بچپن اور بڑھاپے کی ناتواں زندگی بھی خوش و خرم گزار سکے۔ ایک ایسا نظم معیشت وجود میں آ سکتا

ہے جو لالچ، جھوٹ اور استحصال سے پاک ہو۔ ایک ایسی ریاست وجود میں آسکتی ہے جس کا نظام شہریوں کی فلاح کا ضامن اور عدل و انصاف کا عکاس ہو۔ اس کی برکت سے دنیا میں ایک ایسے ماحول کا وجود پزیر ہونا ممکن ہے جس میں انسان کا اصل ہدف دنیا نہیں، بلکہ آخرت ہو۔ انسان اپنی دنیوی ذمہ داریاں مسابقت کے پورے جذبے کے ساتھ انجام دے، مگر اس کے ساتھ ساتھ اس کی نظر اخروی کامیابی پر ہو۔ اس بنا پر یہ بات یقینی طور پر کہی جاسکتی ہے کہ شریعت کی روشنی جس خطہ ارضی کو منور کر دے، اس میں دہشت، درندگی، ظلم اور اخلاق باختگی کے مظاہر شاذ ہو جاتے ہیں۔

فکری قوت کے اس میدان میں پیش قدمی کو حالات زمانہ نے بہت سازگار بنا دیا ہے۔ کچھ عرصہ پہلے تک افراد، اقوام اور حکمران جنگ کی نفسیات میں جیتے تھے۔ جس کے پاس مادی قوت ہو، اس کا یہ حق تسلیم شدہ تھا کہ وہ اگر چاہے تو اخلاقی جواز کے بغیر بھی کمزور کو ترنوا لے۔ جنگیز، ہلاکو، ہٹلر اور میسولینی جیسے حکمران قوموں کی تباہی کو اپنا حق سمجھتے تھے۔ خوف و دہشت کو بین الاقوامی قانون کی حیثیت حاصل تھی۔ یہ فضا اب تبدیل ہو گئی ہے۔ دنیا کا اجتماعی ضمیر جنگ کی نفسیات سے نکل آیا ہے۔ جنگ سے نفرت اور امن سے محبت کا چلن ہے۔ انسان دوسرے انسانوں کے اور اقوام دوسری قوموں کے حق خود ارادی کو تسلیم کرنے لگی ہیں۔ خوف و دہشت کے مظاہر عظمت کے بجائے ذلت کی علامت قرار پائے گئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی قیادت کو اپنی ظالمانہ کارروائی کے لیے بھی دہشت گردی، کیمیائی ہتھیار اور آمریت جیسے مقدمات کا سہارا لینا پڑا ہے اور اس کے باوجود امریکہ سمیت پوری دنیا، بلا استثناء قوم و مذہب سراپا احتجاج ہے۔ پھر میڈیا کی عظیم وسعت نے دنیا کے ہر شخص تک رسائی کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اس صورت حال میں اگر یہ کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ اسلام کی دعوت کے لیے میدان بالکل صاف ہے اور یہ آج جس قدر موثر ہو سکتی ہے، گزشتہ زمانے میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا۔ چنانچہ اس وقت ہمارے لیے واحد لائحہ عمل یہ ہے کہ جب تک ہم مادی اعتبار سے ضروری قوت بہم نہیں پہنچا لیتے، اس وقت تک اپنی تمام تر توانائیاں فکری قوت کے میدان میں بروئے کار لائیں۔ یہی ہماری فتح یابی کا میدان ہے۔ ایک ایسا میدان جس میں شکست کا کوئی تصور نہیں ہے۔

_____ منظور الحسن